رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نوکر کے لئے درخواست بھی کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا۔

آخر میں اسی موضوع کے حوالے سے یہاں اہل تشیع کی معتبر کتاب "نہج البلاغہ" سے دو اقتباس پیش کئے جاتے ہیں۔ جس کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب قطعی غیر محرف ہے، اور قرآن مجید (معاذ اللہ) تبدیل شدہ کتاب ہے۔

"حضرت علی رضؓ نے فرمایا !" اے لوگو! عورتیں ایمان میں ناقص، حصوں میں ناقص اور عقل میں ناقص ہوتی ہیں۔ نقص ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ ایام کے دوران نماز اور روزہ انہیں چھوڑنا پڑتا ہے، اور ناقص العقل ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔ اور حصہ اور نصیب میں کمی یوں ہے کہ میراث میں ان کا حصہ مردوں سے آدھا ہوتا ہے۔ بُری عورتوں سے ڈرو اور اچھی عورتوں سے بھی چوکنا رہا کرو۔ تم ان کی اچھی باتیں بھی نہ مانو تاکہ آگے بڑھ کر وہ بری باتوں کے منوانے پر نہ اتر آئیں۔

(نہج البلاغہ، اردو ترجمہ مفتی جعفر حسین خطبہ ۸۷ صفحہ ۲۷، ۲۸۔ شائع کردہ امامیہ کتب خانہ حلقہ ۷۲، مغل حویلی، اندرون موچی گیٹ لاہور)

" لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا، جس میں وہی بارگاہوں میں مقرب ہوگا، جو لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا ہو اور وہی خوش مذاق سمجھا جائے گا۔ جو فاسق و فاجر ہو۔ انصاف پسند کو کمزور و ناتواں سمجھا جائے گا۔ صدقہ کو لوگ خسارہ اور صلہ رحمی کو احسان سمجھیں گے، اور عبادت لوگوں پر تفوق جتلانے کے لئے ہوگی اس زمانے میں حکومت کا دارومدار عورتوں کے مشورے نوخیز لڑکوں کی کارفرمائی اور خواجہ سراؤں کی تدبیر ورائے پر ہوگا۔ (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۰۲، صفحہ ۹۸)

کیا اہل تشیع علماء و ذاکرین اس بات کی وضاحت کرنا پسند کریں گے کہ ان کے نزدیک خمینی کی بیٹی زہرہ مصطفوی کا انٹرویو زیادہ معتبر ہے یا حضرت علی رضؓ کی نہج البلاغہ! دونوں میں سے کس کی بات درست ہے؟

بقیہ از صلا :

یہی ہے کہ وہ بھی اسکی تائید کریں اور فقہ جعفری یا کسی دوسرے شیعی فقہ کی بلکہ ہر ایسے فقہ کے نفاذ کی، جو فقہ اہل سنت کے حدود سے خارج ہو شدت کے ساتھ مخالفت کریں۔ (باقی آئندہ)

حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی مدظلہٗ

[۲]

پاکستان میں نفاذِ شریعت اور فکرِ جدید

علماء احناف کا عمل

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کے قوانین عامہ کا اصل ماخذ فقہ حنفی ہی کو بنانا چاہیئے جس کا مطلب ہے کہ فقہ حنفی میں جو احکام و مسائل درج ہیں انہیں کو قانون کی شکل دے کر نافذ کرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی صورت ایسی درپیش ہو جس میں کسی مانع کی وجہ سے فقہ حنفی کے کسی مسئلے کو قانونی شکل نہیں دے سکتے تو اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ائمہ اربعہ کے فقہ میں سے کسی دوسرے امام کے فقہ سے اقتباس کرنا چاہیئے۔ اگر اس طرح بھی مسئلہ حل نہ ہو تو اجتماعی طور پر اجتہاد کرنا چاہیئے۔ یہ طریقہ ایسا ہے جس پر اکابر علماء احناف نے عمل بھی کیا ہے۔ اسکی ایک مثال درج ذیل ہے۔

کسی عورت کا شوہر مفقود والخبر ہو جائے تو اسے کتنے دن تک اسکی واپسی کا انتظار کرنا چاہیئے — ؟ یہ مسئلہ معروف ہے۔ برطانوی دور میں اس مسئلے نے ہندوستان میں بہت سنگین صورت اختیار کرلی۔ اور حنفی فقہ پر عمل کرنے میں بعض بہت سخت مفاسد پیدا ہونے لگے۔ اس مرحلے پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے علماء کا ایک اجتماع کیا۔ اور غور و بحث کے بعد ان سب حضرات نے فیصلہ کیا کہ بحالات موجودہ اس مسئلے میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک پر فتویٰ دینا چاہیئے۔ اس فیصلے کو جمہور علماء نے بھی قبول کیا اور اس کے بعد سے اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اسی سلسلہ کے کچھ اور بھی مسائل تھے۔ جن میں امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کیا گیا ہے۔ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" حضرت حکیم الامتؒ موصوف کی ایک مستقل کتاب ہے جس میں موصوف نے ان مسائل و احکام کو جمع فرمایا ہے۔ اور انکی پوری تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ ایسے نظائر اور بھی مل سکتے ہیں۔ اس مثال کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے،

کہ علمار احناف نے اس بارے میں کبھی کسی تنگ نظری سے کام نہیں لیا ہے۔ اس لئے اگر ماخذ قوانین عامہ ملکی کے لئے صرف فقہ حنفی کو تسلیم کیا جائے، تو بھی ضرورت کے وقت دوسرے فقہی مسلکوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

نظیر ناگزیر ہے

یہ خیال کہ ایک جماعت جو علمار اور قانون دانوں پر مشتمل ہو، مجتمع ہو کر فقہ حنفی کے مختلف مکاتب فکر پر نظر کرے اور ان میں سے ان مسائل کو اخذ کرکے جو کتاب و سنت سے زیادہ موافقت رکھتے ہوں اور پاکستان کے حالات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ انہیں قانون کی شکل دے۔ اور یہی قوانین پاکستان کے ملکی قوانین قرار دیئے جائیں۔ ہمارے نزدیک قابل عمل اور صحیح نہیں۔ اولاً اس لئے کہ امت مومنہ کوئی بھٹکتی ہوئی امت نہیں ہے۔ یہ علم کا سرمایہ رکھتی ہے۔ اور اس کا علم ماضی سے آتا ہے۔ اگر ہم قانون بنانے بیٹھیں تو ماضی کی کسی نظیر کے بغیر ہمارا ذہن اس مرحلے کو طے کرنے سے انکار کرے گا۔ اگر ہم کہیں کہ یہ مقننین کا ایک نفسی قانون ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ جو قوم بھی اپنے ماضی میں کوئی قانونی نظام رکھتی ہے وہ اگر نئے سرے سے قانون سازی کرنے بیٹھے تو وہ اپنے کسی سابق نظام قانون کو ضرور پیش نظر رکھتی ہے۔ اور یہ ایک ہی ہوتا ہے۔ متعدد نہیں ہو سکتے۔ اگر متعدد ہوں گے تو ذہن منتشر ہو کر اس کام کو بہت مشکل بنا دے گا۔ قانون سازی میں برطانیہ کو ایک امتیاز حاصل ہے۔ مگر برطانوی قانون کی عمارت رومی قانون پر قائم کی گئی ہے۔ رومن لا کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک قانون بنایا ہے۔ ان کا روما سے زیادہ تعلق نہیں رہا تھا، مگر ایسے اصل ماننا انہوں نے ناگزیر سمجھا۔ کیونکہ بغیر کسی نظیر کے قانون سازی غیر ممکن معلوم ہوئی۔ امت مسلمہ کا تعلق اپنے ماضی سے تو اس سے بہت زیادہ قوی ہے، جتنا برطانیہ کو روما سے تھا۔ ہم بغیر کسی فقہ کو اصل قانون قرار دیئے ہوئے قانون سازی کا کام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس وقت جو حضرات اجتہاد کے داعی اور تقلید کے مخالف ہیں، ان کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ آجاتا ہے تو پہلے ہدایہ، اور الدر المختار وغیرہ دیکھنے کے بعد ہی اجتہاد فرماتے ہیں بالکل فطری بات ہے کہ انسان کے پاس کوئی سرمایہ نہ ہو تو وہ صرف محنت سے سرمایہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا

ہے۔ مگر جب معتدبہ سرمایہ موجود ہو تو اس سرمائے کو رائیگاں اور بے مصرف نہیں کرنا چاہتا بلکہ محنت کے ساتھ اس سرمائے کو بھی مزید سرمائے کے لئے ذریعہ حصول بنانا چاہتا ہے۔ بڑی ناشکری اور ناقدری ہوگی اگر ہم اپنے عظیم الشان فقہی سرمائے کو نظر انداز کر دیں اور نئے سرے سے اس کام کو شروع کریں جسے ہمارے ائمہ سلف کمال تک پہنچا کر ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں اگر ہم ایک نیا فقہ تیار کریں، اور فقہ حنفی کو جس پر صدیوں سے ہم عمل کر رہے ہیں نظر انداز کر دیں تو اس کے لئے اتنی دراز مدت درکار ہوگی جس میں شیر خوار بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ جس طرز طریق پر ہمارا ملک گامزن ہے، اس کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ اس طویل مدت کے گزرنے کے بعد جب فقہ تیار ہو تو ہماری نئی نسل خدانخواستہ اس کی ضرورت کی منکر اور بطور قانون اس کے نفاذ کی مخالف ہو جائے۔

ڈاکٹر یوسف صاحب اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم نے اس مسئلے کے صرف نظری پہلو پہ غور فرمایا اس کے عملی پہلو پر توجہ نہیں فرمائی۔ اس لئے انہیں خیال ہوا کہ اس طریق کار سے پاکستان میں ایک اجماعی فقہ یعنی مجمع علیہ قانون وجود میں آسکتا ہے لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ اگر متعدد فقہائے کرام کے مسالک کا تقابلی مطالعہ کر کے اور حالات کے موافق تر، نیز دلیل کے اعتبار سے قوی تر، حکم و قانون کا انتخاب کر کے اس پر جمہور علماء اور قانون دانوں کا اتفاق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے یا سب احکام و مسائل براہِ راست کتاب و سنت سے اخذ کر کے اس پر اتفاق رائے کی جستجو اور تمنا کی جائے تو یہ کوشش اور جستجو مزید اختلافات پیدا کر دے گی، اور پچاس برس کی کوشش اور محنت سے بھی یہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں۔ اہل سنت کے ہر فقہ کا ماخذ کتاب و سنت ہے، کسی مسئلہ یا کسی فقہ کے متعلق یہ بحث کہ وہ کتاب و سنت سے نسبتاً زیادہ قریب ہے، کبھی نتیجہ خیز نہیں ثابت ہوگی۔

منصوصات میں نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ اس میں ترجیح کی ضرورت ہے، اختلافات تو مجتہد فیہ مسائل میں ہیں اور اجتہادیات میں کسی فریق کو قیامت تک کوئی ایسی دلیل قطعی نہیں مل سکتی جس سے کسی مسلک کی صحت یا غلطی کا قطعی فیصلہ ہو سکے، خیال تو فرمائیے کہ چودہ سو برس گزر گئے اور اس قسم کے مختلف فیہ اور مجتہد فیہ عملی مسائل میں کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا، ہر فریق اپنے مؤقف پر قائم ہے، تو اس امر کی کیا توقع ہے کہ چند علماء اور نو تعلیم یافتہ حضرات بیٹھ کر انکا دو ٹوک فیصلہ کر دیں، اور اس

فیصلے کو ملک و قوم کے دوسرے علماء بھی تسلیم کریں۔

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسائل میں، جو نسبتاً نیچے درجے کے ہیں علماء کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں اور علماء ان پر اتفاق نہیں کر سکے، اس لئے یہ طریقہ تو کسی طرح مناسب نہیں کہ فقہ کے متعدد مکاتبِ فکر کو سامنے رکھ کر اور ہر مسئلے پر نئے سِرے سے اس نقطۂ نظر سے غور کر کے کہ کونسا قول أقرب إلى الكتاب والسُّنّة ہے غور کیا جائے اور پھر ان میں سے کسی کو ترجیح دے کر قانونی شکل دی جائے۔ یہ طریقہ اختلافات اور مشکلات میں اضافہ کر دے گا۔

مناسب طریقہ اور مناسب زاویۂ نظر

قوانینِ شرعیہ وضع کرنے کا صحیح اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ اہلِ سُنّت کے مکاتب فقہ میں سے کسی ایک فقہ کو اصل ماخذ قانون ملکی قرار دیا جائے۔ پاکستان کے لئے فقہ حنفی ہی کو اصل ماخذ قرار دیا جا سکتا ہے۔ فقہ حنفی کو اصل تسلیم کر کے اس کے ان مسائل پر جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ اور جنہیں قانونی شکل دینا منظور رہے، مندرجہ ذیل امور کو پیشِ نظر رکھ کر غور کیا جائے۔

(۱) موجودہ احوال و ظروف میں اس مسئلے پر عمل کرنے سے وہ مصلحت شرعیہ حاصل ہوتی ہے یا نہیں جس کے حصول کے لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے؟

اگر اس حکم کی بنیاد حصولِ مصلحت کے بجائے دفع مفسدہ شرعیہ پر ہے تو کیا اس پر عملدرآمد سے وہ مفسدہ دفع ہو جاتا ہے؟

ب:- موجودہ احوال و ظروف میں اسے قانونی شکل دینے، اور نافذ کرنے سے اختلافِ احوال و ظروف کی بناء پر کوئی مفسدہ شرعیہ تو لازم نہیں آتا؟ یا کوئی مصلحت شرعیہ فوت تو نہیں ہوگی؟

یہی وہ مناسب زاویۂ نظر ہے جس سے قانون سازی کے وقت فقہ کے مسائل پر غور کرنا چاہیئے۔ اس کی مثال میں پیش کر چکا ہوں، مفقود الخبر کی زوجہ کے مسئلے پر علماءِ احناف نے اسی زاویۂ نظر سے غور کیا اور امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک پر فتویٰ دینے کا فیصلہ کیا۔

"شیعہ فقہ کی کوئی گنجائش نہیں"

ڈاکٹر صاحب نے اپنی زیرِ تبصرہ کتاب کے صہ ۴۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ بعض فقہاء اہلِ سنت نے تحقیق مسائل کے بارے اس قدر وسعت نظر سے کام لیا کہ بعض فرق شیعہ کے قوانین و مسائل فقہ کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ موصوف شیعہ فقہ کو بھی قانونِ پاکستان کا جزو بنانے کے حامی ہیں۔ اہلِ سنت کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ نفاذِ شریعت کا مطلب کتاب و سنت کے احکام کا نفاذ ہے۔ شیعہ — اثنا عشری و اسماعیلی، قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے۔ از راہِ تقیہ اس پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں مگر انکی کتابیں انکی تکذیب کرتی ہیں۔ سنت، جس میں سُنت متواترہ یعنی تعامل اور احادیثِ احاد دونوں داخل ہیں، اسکا انکار علی الاعلان کرتے ہیں۔ قرآن و سُنت کے اوّلین ناقل و محافظ صحابہ کرام ہیں، انہیں وہ منافق اور کافر کہتے ہیں (العیاذ باللہ) صحابہ کرامؓ پر اعتماد کے بغیر کتاب و سُنت پر اعتماد کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے وہ دونوں کے منکر ہیں۔ پھر انکا فقہ کتاب و سُنت پر کس طرح مبنی ہو سکتا ہے؟ اور وہ کتاب و سُنت پر مبنی نہیں ہے تو اسلام نہیں، اسکی گنجائش کس طرح نکل سکتی ہے؟

ہر شیعی فقہ خواہ اس کا نام فقہ جعفری ہو یا اور کوئی مطلقاً غیر اسلامی ہے۔ اس میں اور یہود کے قوانین میں کوئی فرق نہیں اسے شریعتِ اسلامیہ کا جزو نہیں بنایا جاسکتا۔ اور اسلامی قانون پاکستان میں اسکی رعایت کرنا شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

نام نہاد "فقہ جعفری" کی نسبت حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف بالکل غلط ہے۔ موصوف سُنی تھے اور صالح و متقی مسلمان تھے وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ وہ محدّث مجتہد تھے، فقیہ مجتہد نہیں تھے۔ ان کا کوئی مستقل فقہ نہیں تھا۔ اور انکے مسلک و اجتہاد کی کوئی تدوین نہیں ہوئی۔ اور نہ انکی کسی سُنی نے تقلید کی۔ دنیائے اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھ جائیے ایک سُنی بھی جعفری یا باقری نہیں ملے گا۔ انہیں کے زمانہ میں حضرات امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تھے، انکے مقلدین کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ شارعِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہے۔ خاتم النبیین والمعصومین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت نازل ہوئی اور بحکمِ الٰہی آنحضرت علیہ السلام نے اسکی تعلیم دی۔ بایں معنیٰ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصدرِ شریعت

ہیں۔ اس وصف میں کوئی آپ کا شریک وسہیم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہم اسی شریعت کو نافذ کر سکتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ فقہ اسی شریعت کی توضیح و تفہیم و تفصیل کا نام ہے۔ اس لئے ہر استدلال فقہی اور اجتہاد کی انتہا کتاب و سُنّت پر ہونا چاہئیے مگر نام نہاد فقہ جعفری کا ماخذ کتاب و سُنّت نہیں ہے۔ اسکی انتہا خود حضرت جعفر صادق اور شیعوں کے دُوسرے مزعومہ ائمہ کے اقوال و فعل پر ہوتی ہے۔ شیعہ خود انہیں شارع اور کتاب و سُنّت سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔ اس کا نفاذ شریعتِ جعفریہ یا شریعتِ اثناعشریہ کا نفاذ ہوگا نہ کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ کا۔ نفاذِ شریعت کا نام لے کر نبی اکرم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے سِوا کسی دُوسری شریعت کو نافذ کرنا، یا اسے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کے ساتھ مخلوط کرنا یا اسے اسلامی شریعت تسلیم کر لینا خاتم النبیین والمرسلین علیہ افضل الصلوات والتسلیم سے بغاوت ہے جو معصیتِ عظیمہ ہے۔ اور جس کا وبال بہت سخت ہے۔ والعیاذ باللہ!

شیعی عالم علامہ یعقوب کلینی کی کتاب الکافی جس کا ایک حصہ اصول الکافی کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا فروع الکافی کے نام سے نام نہاد "فقہ جعفری" کا ماخذ و مرجع ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ یہی کتاب اس فقہ کا ذخیرہ ہے۔ پوری کتاب الکافی دیکھ جائیے، اسکی ہر روایت کی انتہا، حضرت جعفر صادقؒ پر ہوتی ہے۔ کچھ روایتیں شیعوں کے دوسرے مزعومہ ائمہ کی طرف بھی منسوب ہیں۔ اگر خوردبین سے دیکھئے۔ تو بھی شاید کوئی روایت یا کوئی قول او فتویٰ ایسا نہیں ملے گا جسکی نسبت سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ انکے مزعومہ ائمہ میں سے ہر ایک صاحبِ شریعت ہے یعنی شریعت ہر امام پر براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی تھی۔ انہیں نبی اکرم سیدنا و نبینا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی کوئی احتیاج نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کتاب الکافی مذکور میں النادر کالمعدوم کے علاوہ کوئی حدیث نبوی نہیں ملتی پھر ہم "فقہ جعفری" کو اسلامی فقہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

یا فقہ اسلامی میں اسکی پیوندکاری کس طرح گوارا کر سکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں اہم بات کا تذکرہ بھی مناسب ہے کہ قانونِ ملکی عام ہوتا ہے۔ سلطنت میں رہنے والے مختلف فرقوں کے لئے الگ الگ قانون نہیں ہو سکتا۔ شرعی قوانین مُلکی وہی ہو سکتے ہیں جو سُنّی ملک اور سُنّی فقہ پر مبنی ہوں ــــ ان سے کسی فرقہ مثلاً شیعہ وغیرہ کا استثناء شرعاً، سیاستاً انتظاماً ہر حیثیت سے مطلقاً